

اگلے روز وہ ملایشیا چلا گیا اور کوئی رابطہ نہ رکھا۔ اور وہ نکاح کی چار سالہ ”عدت“ میں بیٹھ رہی۔ خدا معلوم حیدر مرجعی بنایا اس کی عدت مکمل ہوئی۔

ریگلی تائی ابا کے کزن کی بیوہ تھیں جسے ابا کے کزن بڑے چاؤ سے بیاہ لائے تھے۔ اپنے ریگلی کپڑوں اور ریگلی مزاجی کے باعث ان کا ریگلی تائی نام مشہور ہوا۔ ایسی ویسی بات کا تو پتا نہیں تھی، اس میں یا نہیں مگر سب سے ہنس بول لیتی تھی تو لوگوں نے ایسا مشہور کر دیا۔ ایک دوبار تو تائی کو بھی شک گزرا مگر ثبوت نہ مل پایا۔ اولاد نہ ہونے کے باعث بھی تائی کی ریگلیاں عروج پہ ہی رہیں۔ پھر تائی گزر گئے اور تائی نے بیوگی کا لبادہ بھی ریگلی ہی رکھا۔ گھر سے گزرتے لوگ تفحیک آمیز کلمات کہتے تائی نے ان کی مشکل آسان کی اور گھر کی نیم پلیٹ پہ کوٹھا لکھوا لیا۔

بڑے ہال نما کمرے کے بیچوں بیچ بیٹھی وہ کپڑے سلائی کرتی، کروٹیاں پتی کڑھائیاں کرتی نظر آتی۔ صفائی اتنی کمال مانو کپڑے کے اندر نائے نقش ہوں۔ گاؤں کی عورتیں شادی کی عمر کو پہنچی بیٹیوں کے ہاتھ سیدھے کرنے کو ایک آدھ ماہ بھیج دیتیں۔ ابھی بھی چاؤ تو پانچ چھ لڑکیاں شکر دوپہر فریم پڑے یا مشین کی ہتھی چلائی نظر آتیں۔ سردی میں البتہ یہ میلاحن کی دھوپ میں بچتا۔

جوان لڑکیوں کی آمد سے پھر میرا مطلب رشتے بھی آئے۔ لگے۔ گاؤں کے جس گھر کو سکھڑ بہو چاہیے ہوتی ریگلی تائی، کے گھر کا ایک چکر ضرور

ابا نے اسے ریگلی تائی کے حوالے کرتے ہوئے کہا تھا۔ ”اس سے کوئی ایسا ویسا کام مت کروانا بھابھی۔“ اور جواباً وہ پان کھائے دانتوں سے ہنس دی۔

”اعتبار بھی کرتے ہو بھائی صاحب! اور مان بھی نہیں رکھتے۔“

”اعتبار ہے تب ہی تو تیرے حوالے کیا ہے۔ وہ بھگوڑا آ جائے تو اس کے ساتھ رخصت کر دینا ورنہ وقت اور حالات کے مطابق فیصلہ کر لیتا۔“ ابا نے گدلی آنکھیں صاف سے صاف کیں۔ اور عندلیب کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”یہی ہے میرے پاس تجھے دینے کو.....“ سر پر ہاتھ اور لبوں سے دعائیں دیتے وہ رخصت ہوئے۔

عندلیب نم آنکھوں سے انہیں دیکھ گئی۔ اماں کی دائمی جدائی نے انہیں تازگی اور جوانی نچوڑ کے مایوس کن جان دار بنا ڈالا تھا۔ کہنے کو وہ ابا کی بیوی تھیں مگر حقیقتاً ان کی ماں تھیں۔ سادہ لوح اور بھولے سے ابا بھی انہیں سب کچھ ہی سمجھ بیٹھے تھے۔ تب ہی ان کی رفاقت چھوٹے ہی وہ دنیا چھوڑنے کے درپے تھے۔ اللہ سے لو لگالی تھی اور اماں سے بھی زیادہ لگالی تھی۔ جمع جتنا بچ کے حج کے کاغذات بنوا لیے تھے۔

اماں کی وفات سے چند روز پہلے عندلیب کا نکاح ابا کے دور کے رشتہ داروں کے لڑکے حیدر سے ہوا تھا۔ اس کا ملایشیا کا ویزا لگ گیا تھا اور نکاح سے

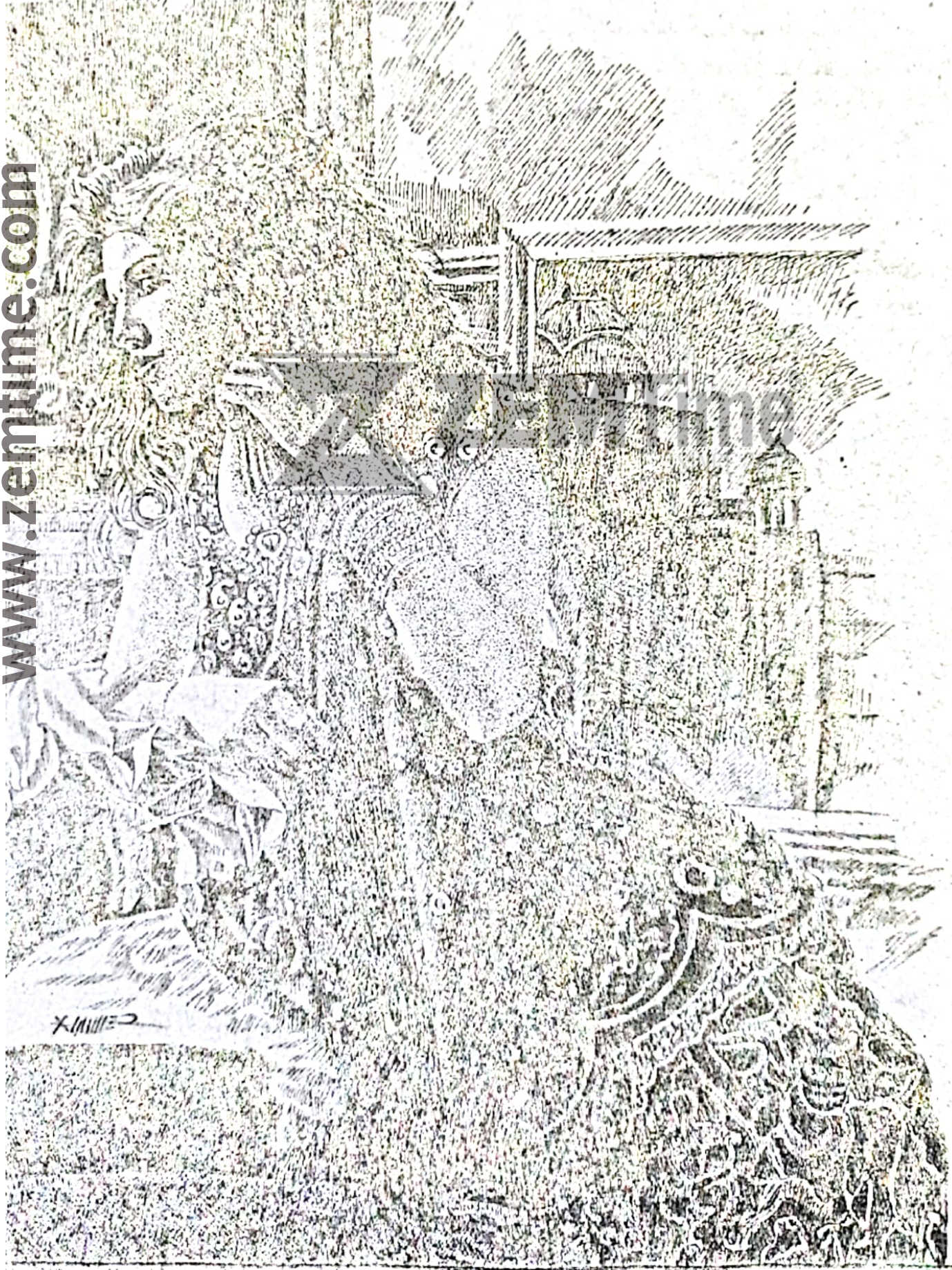
پہ گونا گونا کناری لگانے لائی ہوئی تھی۔ لڑکیوں ہالیوں
میں ہنسی مذاق چل رہا تھا۔ بات بے بات قہقہہ پڑ رہا
تھا۔

”منڈیروں کے اندر تک قہقہے رکھو بچو۔ گاؤں
کے مردوں کے دلوں میں گڑے شک کے بیج کو

لگاتی۔ یوں تائی کی نیک اور بد دونوں شہرتیں مشہور
ہوئیں۔ عورتیں لڑکیاں تائی کو اچھی نظر سے دیکھتیں،
مرد حضرات البتہ ایک ناگوار نظر ڈالتے گزرتے۔

☆☆☆

شیم کی شادی تھی۔ وہ اپنے شگن کے جوڑے



بروان مت چڑھاؤ۔“ رنگیلی تائی اندر سے مہندی گھول لائی تھی۔ ”یہ میرے سر پر لگا دو، ہنگی ہوئی اپنے سر پر لگا لو۔“ انہوں نے مہندی کا کٹورا ان کے بچوں بچ رکھا۔

شیم نے جھٹ گھن کا جوڑا سمیٹا۔

”رنگیلی تائی! کوئی گانا سناؤ ناں.....“ منڑہ نے مہندی لگانے کے بعد فرمائش کی۔

”ڈھولکی لاؤں۔ پر یکس بھی ہو جائے گی۔“ عالیہ بھی بر جوش ہوئی۔

رنگیلی تائی وہیں بیٹھے بیٹھے شروع ہوئی۔

شام سے آگے میں کمی سی ہے

آج پھر آپ کی کمی سی ہے

تب ہی باہر کا دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا۔ رنگیلی تائی گاتے گاتے باہر کی جانب آئی۔ سلیمان آیا تھا۔ اور اس کے پیچھے سے چودھری صاحب گزر رہے تھے۔

”کے یاد کر رہی ہو رنگیلی؟“ انہوں نے چلتے چلتے بھی پوچھ لیا۔

”اپنے پچھلوں کو ہی کر رہی ہوں گی چودھری صاحب! تمہیں تو اس عمر میں کرنے سے رہی۔“ جواب دینا تو گویا رنگیلی تائی پر فرض کی طرح تھا۔ جواب بھی ایسا مانوانگاروں پہ بھونا ہوا۔

”آؤ سلیمان.....“

لڑکیاں سلیمان کو آتے دیکھ کر اندر چلی گئی تھیں۔ رنگیلی تائی کے گھر آتے مائیں بیٹیوں کو تاکید کرتی تھیں کہ سلیمان کے سامنے نہیں آنا۔ حالانکہ عندلیب کو وہ بے ضرر سا لگا تھا۔ اپنے کام سے کام رکھنے والا۔ شہر سے مال لے آتا۔ شہر میں مال بچ آتا اور شہر میں ہی رہتا۔

☆☆☆

بارش خوب کھل کر ہوئی تھی۔ گلیوں میں کچڑ کے باعث کوئی لڑکی بھی نہ آسکی تھی۔ عندلیب فریم اٹھائے نیم دراز تھی۔ کھڑکی کا کواڑ کھلا تھا۔ باہر گلی سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بار بار آ رہے تھے۔

سلیمان باہر سامنے والوں کے گیٹ کے تھڑے پر بیٹھا تھا۔ ہوا سے کواڑ کھلتا تو ایک جھلک نظر آتی اور کواڑ پھر سے بند ہو جاتا۔ اور کواڑ پر سلیمان کی دو آنکھیں کھد جاتیں عندلیب کو اڑ بند کرنے کو ابھی۔ اور چند لمحے سلاٹھیں پکڑے باہر جھانکتی رہی تب ہی وہ بھی پکڑے سے اتر اور بولا۔

”سنو، بند کرو، میں ڈوب جاؤں گا۔“

عندلیب نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”تمہارے غیروں میں.....“ سرگوشی کرتا وہ آگے بڑھ گیا۔

عندلیب کی دھڑکنیں اتھل پتھل ہوئیں۔ وہ بے دم سی صوفے پر آن بیٹھی۔

کشنز کا ایک سیٹ دو تکیے اور چند ایک خوان پوش تائی نے گن کر شاہر میں ڈالے اور سلیمان کو چھمائے۔

”دکان داروں سے کہنا جلد رقم دے دیا کریں۔“

تائی رنگیلی نے اسے تاکید کی۔ وہ سر ہلاتا باہر نکلا۔ عندلیب گیٹ بند کرنے کو آئی وہ گیٹ کے قریب رکا اور ایک بھر پور نظر اس پہ ڈالی۔

”مجھ سے دور رہو۔ میں عدت میں ہوں۔“

عندلیب نے تائی کا انداز اپنایا۔

”نکاح میں ہو.....“

”کچھ نکاح کی بھی عدتیں ہوتی ہیں۔“ وہ خاموشی سے گیٹ بند کر کے اندر آئی۔

”تائی! یہ سلیمان کون ہے؟“

”یہ اس کا بیٹا ہے۔“

”کس کا.....؟“

”وہی جس کو یاد رکھنے پہ فقط عزت دار سے کوٹھے والی کہلاتی ہوں۔“ تائی ماضی میں ڈوبی۔

”آپ اس کے پاس کیوں نہیں ہیں؟“

”وہ محبت دیتا تھا۔ عزت نہیں..... جہاں تک اپنانے کی بات ہے تو اس نے اپنے خون کو نہیں اپنایا

”میں نے بلایا ہی نہیں۔ خود فون کرتی ہوں کہ آکر ماں لے جائے تب ہی آتا ہے۔“
اور عندلیب جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی کہ مال جلد تیار ہو۔

ہوتے ہوتے بات مشہور ہو رہی تھی۔ کہ عندلیب کی کاڑھی اور جہیز میں رکھی بیڈ شیٹس خوش بختی کی علامت ہوتی ہیں۔ اور بیٹیوں کے بخت آزمانے لگی ہی عورتیں دھڑا دھڑا آنے لگی تھیں۔
عندلیب سنتی اور دکھ بھری مسکان اس کے ہونٹوں پہ آجاتی۔ کیا کہتی کہ ایک بے گھر کی چادریں گھر آباد کرنے کے لیے ضروری ہو رہی تھیں۔

ایک خبر جس کا اسے انتظار بھی نہیں تھا ایک شام چپکے سے سلیمان نے لاسنائی۔
اس کا باپ نہیں رہا تھا۔

”واہ رے ابا! تو نے کیا خوب محبت نبھائی، جس سے کی اسی پر مر مٹے۔“ نینوں کے کٹورے دنوں چھلکتے رہے۔

سلیمان لاکھ آتے جاتے سرگوشی کرتا ”ڈوب جاؤں گا۔“ اور عندلیب نے اسے ڈوبنے دیا۔ اور خود بھی شاید پھسل گئی تھی۔ دکھ میں کندھا، سہارا اور لفظ عطا کرنے والا کبھی نہیں بھولتا..... اور وہ تو تھا بھی لفظوں کا جادوگر..... لفظوں سے باندھ لینے والا۔

چاردنیاں دا پیار اور بالبی جدائی
بڑی لمبی جدائی.....

شام کے پھلتے ہی تائی کی آواز جاگنے لگی۔
عندلیب نے آج دھیان دیا۔

”تائی! تیری آواز میں بہت درد ہے۔“
”میری آواز میں عشق ہے۔ تمہیں وہ نہیں محسوس ہوا.....“

ہونٹوں پہ آئی میری جان دہائی
لمبی جدائی.....

”ہاں شاید..... عشق سے واقف نہیں ہونا۔“
تب ہی نہیں پہچانا..... درد سے واقف ہوں تب ہی پہچان گئی فوراً.....

مجھے کیا اپنا تا۔“
”تائی نے آپ کو عزت دی؟“
”ہاں، اور اپنا بھی۔“
”آپ کو یاد آتا تھا وہ.....؟“

”مجھے بھولتا ہی نہیں تھا۔ خود پہ تو پہرا بٹھا سکتے ہیں مگر یادوں پہ نہیں۔“
”اولاد تو ہوئی نہیں آپ پلٹ جاتیں۔“
عندلیب نے اپنے تئیں مشورہ دیا۔

”جو عزت دے اس کی عزت رکھ لینی چاہیے۔ تیرے تائی نے مجھے عزت دی اور میں نے آج تک ان کی عزت رکھی ہوئی ہے۔ بھلے لوگ کچھ بھی کہیں..... تجھے ایک مشورہ دوں گی عندلیب کوئی ایسا روگ مت پالنا جو تجھے رول دے۔ حیدر سے بات کر، یا اپنا لے یا آزاد کرے، یہ کیا بچ منجھدار چھوڑ گیا ہے۔“

”تائی! میں نے تو اسے ٹھک سے دیکھا ہوا بھی نہیں۔ بات کہاں سے شروع کروں؟“ وہ بے بس نظر آئی۔

”میں اس کی ماں سے بات کرتی ہوں۔“
رنگیلی تائی گھٹنوں پہ زور دیتی اٹھی۔
شام سے آنکھ میں نمی سی ہے
آج پھر ان کی کمی سی ہے
شامیں اکثر ہی تائی رنگیلی پہ عذاب کی صورت اترتیں۔

☆☆☆

چند ہی دنوں میں عندلیب کا ہاتھ کڑھائی پہ بہت صاف ہو گیا تھا۔ وہ کاڑھتی تھی اور لگتا کپڑے کے اندر بنت کاری کی گئی ہے۔ اس کے ہاتھ کی بیڈ شیٹس دنوں میں مشہور ہو رہی تھیں۔

کتنے دن ہوئے سلیمان نہیں آیا تھا۔ سوئی میں دھاگا ڈالتے وہ رکی اور سوئی کے ناکے سے انگلیوں کی پوروں پہ دن گنتے لگی۔ نو دن.....
”تائی! سلیمان نہیں آیا؟“

”خدا تجھے عشق سے کبھی واقف نہ کرے.....“
تائی رنگیلی ڈھلتی شام میں ڈھل کے بڑبڑائی۔
☆☆☆

سلیمان بے منت دینے آیا تھا۔ تائی نے سب کی محنت ان میں ہائی اور چند ایک نوٹ عندلیب کے ہاتھ پر رکھے۔

”نہیں تائی! یہ مجھے نہیں چاہییں۔“
”یہ کسے نہیں چاہیے ہوتے پگی۔“ تائی نے پان کھائے دانتوں کو دکھلاتے حقیقت بتائی۔
”میری ساری ضرورتیں تو آپ پوری کر دیتی ہیں ناں..... تو یہ بھی آپ ہی رکھیے۔“
”ضرورتیں میں پوری کر دیتی ہوں ان سے خواہشیں پوری کر لینا.....“ تائی نے اس کی مٹھی دبائی۔

وہ کچن میں سلیمان کے لیے چائے بنا رہی تھی جب اسے اپنے نام کی پکار سنائی دی اس نے سر جھٹکا۔ جس کے نکاح میں تھی وہ کہیں نظر نہ آتا تھا اور جو کچھ بھی نہیں لگتا تھا ہر جگہ دکھائی پڑتا تھا۔ بھائی دیتا تھا۔
”کیسی ہو؟“ وہ کپ لے کے مڑی جب وہ بولا۔

”اچھی ہوں۔“ عندلیب نے سر ہلایا۔
”اچھی ہی تو نہیں ہو۔“ کپ پکڑتے وہ بڑبڑایا۔

”تو پھر تم سے مطلب جیسی بھی ہوں۔“ رنگیلی تائی کا لہجہ عندلیب کے منہ میں آیا۔
”ہم سے ہی ہوں گے کبھی مطلب..... لکھ رکھو۔“ اس نے کچن کی دیواروں کے برتنوں کو گواہ بنایا۔

”تائی! یہ سلیمان کرتا کیا ہے؟ سہ پہر ڈھلے جب لڑکیاں اپنے اپنے گھروں کو چلی گئی تھیں عندلیب نے رنگیلی تائی سے پوچھا۔

”سچا بننا چاہتا تھا پر نصیب میں ہی نہیں تھا۔ اب دوائیوں وغیرہ کے بارے پڑھ رہا ہے۔ شہر

میں۔“
”یہ اپنے ماں باپ کے بارے میں جانتا ہے۔“

”میرے بارے جانتا ہے کہ ایک مہربان عورت جس نے اس لاوارث کو پناہ دی۔ پہلے اپنی بہن کے گھر اور اس کے فوت ہونے کے بعد اپنے گھر۔“

”اس کی ماں کون تھی.....؟“
”اس کے باپ کی شرعی بیوی جو اس کی پیدائش کے تین دن بعد وفات پا گئی تھی۔“
”اس کے باپ نے اسے خود آپ کو دے دیا؟“
”عندلیب کو بے حد حیرت ہوئی۔“

”ہاں.....“
”پر کیسے.....“

”جیسے تمہارا باپ تمہیں میرے حوالے کر گیا۔“
عندلیب کتنے ہی بل خاموش رہی۔ پر وہ آج ہی سب کچھ تائی سے پوچھ لینا چاہتی تھی۔
”اس کا باپ آپ سے کیسے ملا؟“

”ملا ہی تو نہیں۔“ شام پھیل رہی تھی سٹ کر تائی کے لہجے میں آن بیٹھی۔

”ہم لوگ گانے والیاں تھیں۔ ضرورتاً گھر سے نکلتیں، تین چار گانے گا کر ضرورت پوری کر لیتیں۔ پسند کے گھر میں پیدا ہونا بس میں نہیں ہوتا انسان کے یہ گھر فیملی رشتے سب ہی آزمائشیں ہوتی ہیں۔ میں گاؤں کے سب سے کمی گھر کی اولاد اور وہ چوہدریوں کا لڑکا چاند بابو۔ وہ صرف محبت دیتا تھا اور مجھے محبت عزت گھر سب ہی کچھ چاہیے تھا۔ پھر تیرا تایا آن ملا۔ بہت پان گڑکا کھاتا تھا۔ پھر منہ کا کینسر ہو گیا۔“

”حیات ہے۔“
”خدا معلوم جسے چھوڑ دیا اس کی خبریں پتا کیا رکھنا۔“

”آپ کا دل کیا کہتا ہے۔“

”تم تو رونق اور قسمت ہو میرے گھر کی.....“
رنگیلی تائی نے پکارا۔

”ہاں تب ہی تو رخصت کرنا چاہتی ہیں۔“
رونقیں تاحیات کہاں ہوتی ہیں۔ یہ تو زندگی
کے چند پل یا کچھ سال ہی رہتی ہیں۔ سبھی رخصت
کردوں اور سلیمان کو بیاہ لوں۔ بس یہ دودھ داریاں
ہیں میری اب تو۔“

”سبھی اور سلیمان..... دل نے پورے فقرے
میں سے تین لفظ اچک کے خوش گمانی اس کے دامن
میں بھرے اور خود ہواؤں میں اڑنے لگا۔ اونچا
مست اور بے فکر۔“

قریب پندرہ بیس دن میں عندلیب نے تینوں
بیڈ شیٹس تیار کر لیں۔

”چھ ہزار بنتا ہے۔ چلو تمہاری ساس ہے، تم
بانج لے لینا اس سے۔“ رنگیلی تائی بیڈ شیٹس پیک
کرتے ہوئے بولیں۔

”میں ان سے پیسے لوں گی۔“ عندلیب بدکی۔
”نان و نفقہ تو دیتے نہیں، محنت کا معاوضہ ہی
دیں۔“

”اچھا نہیں لگے گا تائی.....“
”نا لگے..... محنت کا معاوضہ تو ہوتا ہی ہے۔
ہلے ہی مفت لیا ہوا ہے تمہیں پھر تو بالکل مفت کا مال
لگو گی۔ ایسی عادتیں مت ڈالو انہیں.....“

تائی نے نصیحت کی مگر عندلیب نے بالکل بھی
نہ مانی۔ یہ لڑکیاں بھی ناں..... جانے انجانے میں
کیسی کیسی عادتیں ڈال دیتی ہیں سرالیوں کو۔
”حیدر کو بتاؤں گی ناں، دیکھنا کتنا خوش ہوگا
ہوتا.....“ اس کی ساس جاتے جاتے عندلیب کے
کان میں بولی۔

عندلیب نے اپنی بڑی انگلی پر سوئی کے چھید
کے نشان گننے چاہے، رتھکے اس کے علاوہ تھے۔ کیا
معاوضہ ملا تھا نا ”حیدر خوش ہوگا۔“ عندلیب دن
بھر اس فقرے کی تکرار کیے گئی۔ دل زود تھا رہا یہ
سمجھائے گئی۔ شام کو سلیمان آ گیا اور عندلیب کی

”دل نے تو سدا حیات اور جوان رکھا اسے۔“
”دل کو دل سے راہ ہوتی ہے ناں۔“ عندلیب

نے چھیڑا۔
”چاہ ہو تو راہ بھی ہوتی ہے۔ اس کی طرف
سے چاہ بھی ہی نہیں میری چاہ کی راہ میں تیرے تایا
آن بیٹھے تھے۔“

”سلیمان کے لیے کیا سوچا ہے آپ نے؟“
”اچھا کمانے لگے گا تو کوئی رشتہ دیکھ شادی
کردوں گی۔“

”اتنی گھڑ تو لڑکیاں آتی ہیں کوئی ایک پسند کر
لیں۔“ عندلیب نے مشورے کی آڑ میں ان کا ارادہ
جانچنا چاہا۔

”لڑکیوں کے والدین لڑکے کا آگاہ پچھا
حسب نسب جانچ کے بیٹی تھاتے ہیں۔ میرے کسی
بچھے کے بیٹے کے ہاتھ میں کیوں تھامیں گے اپنی
بیٹی کا ہاتھ؟“

”لڑکی نے زندگی سلیمان کے ساتھ گزارنی
ہے پچھلوں کے ساتھ نہیں۔“ عندلیب نے جرح
کی۔

”جن کی جنی ہوتی ہے ناں وہ حالات ضرور
دیکھتے ہیں اور حالات دیکھنے بھی چاہئیں۔“ رنگیلی
تائی نے حمایت کی۔

☆☆☆

ہوتی ہوتی عندلیب کی شہرت اس کی ساس
تک بھی پہنچ ہی گئی۔ وہ بھی دو بیٹیوں کی تین جہیز کی
چادریں کڑھائی کے لیے اٹھلائی۔ عندلیب کو
بسانے کی بات ہی نہیں کی اور بیٹیوں کے لیے
دعا میں لیے رخصت ہوئی۔ رنگیلی تائی تو اس سے
پوچھنے ہی والی تھی کہ اپنی امانت کب لے جا رہی ہو۔
مگر عندلیب نے منہ پٹائی رکھ کر چپ کر دیا۔

”اتنی بھاری ہوں کیا آپ پر؟“ ان کے
جانے کے بعد عندلیب نے آنکھوں میں آنسو بھر کر
پوچھا۔

ساری محنت بے کار مگنی۔ وہ تائی کے لیے اسکن کلر کا خوب صورت سوٹ لایا تھا۔ اور ایک بلیک کلر کا۔
”یہ کس کے لیے ہے۔“ تائی نے کپڑا پھیلایا۔

”ویسے ہی لایا تھا تائی، میں نے سوچا آپ نے کسی کو دینا یا غیرہ ہو شاید۔“

دل کا بس نہیں چلتا تھا کہ چلا کر عندلیب کا نام پکارے مگر زبان سلیمان کے بس میں تھی۔

”بہت اچھا کیا..... یہ عندلیب تو لیتی نہیں، کتنی بار کہا۔ اب یہ خود سلا کی کر کے دوں گی ایسے۔ پر کیسا بخت جلا رنگ لائے ہو۔ کوئی سرخ آتش عنبابی لاتے۔“

”آج کل کی لڑکیاں بھڑکتے رنگ کہاں پہنتی ہیں تائی۔“

”آج کل کی لڑکیوں کی بڑی خبر رکھنے لگے ہو؟“ تائی نے اس کا چہرہ جانچا۔

سلمان کھسیانا سا ہو کر رنخ موڑ گیا۔
 ”تمہیں کہا تھا اپنے لیے سفید صاف کپڑا لانا،
 کرتا کاڑھوں گی۔“
 ”لایا ہوں تائی..... پر آپ اتنی مشقت مت
 کرتا۔“

”تمہارے لیے تو ہاتھ پاؤں پر چھالے بھی
پڑ جائیں تو مشقت نہیں لگے گی مجھے..... بیٹے ہوں
میرے۔“

”بہت تھکا ہوا ہوں تائی، بیٹھک میں سونے جا رہا ہوں صبح جلدی کھٹنا ہے۔“ سلمان اٹھا۔
”کھانا؟“

”کھالیا تھا۔“
صبح لڑکیوں کے آنے سے پہلے تائی نے
سلمان کا لایا سفید کپڑا بچھا کے ناپ گر کاٹ لیا۔

عندلیب بھی پاس آئی تھی۔
 ”بکسا پکڑ کر لاؤ۔ ٹھپا (پرنٹ) لگاتا ہے۔“
 عندلیب بکسا اٹھا لائی۔ تانی نے عینک ناک پہ
 لگا دی اور بٹر پیپر نکال کر ڈیزائن دیکھنے لگی۔

”کچھ دن ٹھنڈے دماغ سے سوچو پھر فیصلہ کرنا۔“
 ”فیصلہ تو تائی، اب میرا یہی ہے۔ خود سے خود کو بھاڑ میں نہیں جھونکا جاتا۔“ وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

”ماں باپ نے گھر نہ رکھا تو!“
 ”بہتر ہاتھ میں ہے خود بنالوں کی گھر۔“ آمنہ کا عزم پختہ تھا۔
 ”خدا جو تمہارے حق میں بہتر ہو وہ کرے۔“
 وہ اٹھ کھڑی ہوئی مگر جب تائی نے دعا دی۔
 ”تائی آپ کو کیسے پتا تھا کہ وہ اس گھر خوش نہیں رہے گی؟“ اس کے جانے کے بعد عندلیب نے پوچھا۔

”جو زندگی کے جانتی سال گزار لیتا ہے۔ ماں اتنے ہی راز جان جاتا ہے۔“
 ”پھر تو آپ یہ بھی جانتے ہوں گی کہ میں حیدر کے ساتھ خوش رہوں گی یا نہیں؟“
 اس کی بات پر تائی گوگو کی کیفیت میں نظر آئی۔
 ”کوشش کرو اور تھوڑی چالاک بنو تو خوش رہ لو گی۔“

”خوش رہوں یا نہیں، رہنا تو اب حیدر کے ساتھ ہی ہے تائی۔ میرے مرتے ہوئے ماں باپ کا یہ فیصلہ تھا انہیں غلط کیسے ثابت کر سکتی ہوں۔“ وہ فیصلے کی بابت بتاتے ہوئے ہی ہانپ رہی تھی۔ کہاں اسے قبول کر کے بھانا بھی تھا۔
 تائی نے ایک نظر اسے دیکھا اور خاموش ہو رہی۔

”پکانا کیا ہے تائی آج۔“ عندلیب نے دانستہ موضوع بدلا۔

سبزیاں تو سب ختم ہو گئیں۔ نہ میری ہڈیوں میں اتنا دم خم رہا ہے سودا سلف لانے کا۔ کتنے دن ہو گئے سلمان بھی نہیں آیا۔“

”ابھی پکوڑے بنا دیتی ہوں تائی، موسم اچھا ہو رہا ہے۔ شام کو ملک ہیک پی لیں گے۔“ عندلیب

کہاں سے آئی ہے؟“
 ”اتنا کام کر لینے کے بعد اتنی نفاس تو ہاتھ میں بنتی ہے ناں تائی۔“ عندلیب ہلکے پھلکے موڈ میں کہتے اٹھ گئی۔

☆☆☆
 تائی کو کوئی پرانی شاگرد جو دور گاؤں بیا ہی تھی اپنے سات سالہ بیٹے کے ہمراہ آئی تھی۔ عندلیب جھٹ شربت کا جگ بھر لائی۔
 ”ملنے آئی ہو والدین سے؟“ تائی نے

پوچھا۔
 ”کچھ دن رہوں گی۔“ وہ پھیکا سا بولی۔
 ”لگتا تو نہیں؟“
 ”کیا.....؟“

”لگتا ہے ہمیشہ کے لیے آگئی ہو۔“
 ”حالات تو ایسے ہی ہیں تائی۔ جی نہیں چاہتا واپس جانے کو۔۔۔۔۔ جب خود کو خود ہی پالتا ہے تو مار کا افسانہ بوجھ کیوں سہا جائے۔“ آمنہ بولی تو آواز کا درد پورے کمرے میں پھیلا۔
 ”میں نے تمہاری ماں کو منع بھی کیا تھا کہ یہاں رشتہ مت کرے۔ مجھے تو پہلے ہی وہ لوگ ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔“

”ماں بھی ابا کے آگے مجبور تھی۔ ابا نے دوسری شادی کر کے ہماری زندگی رول دی۔“
 ”اب کیا کہتا ہے تمہارا ابا.....؟“
 ”یہی کہ جو نصیب تھا مل گیا۔ اب جاؤ گھر، گزارا کرو۔ ایک دن سدھر جائے گا۔“
 ”وہ ایک دن نصیب میں ہوتا تو آچکا ہوتا۔“
 تائی بڑبڑائی۔

”مجھے وہ پہلے دن ہی اچھا نہیں لگا۔ یہ کم بخت محبت بھی نہ ہوں۔ یہ بڑا کچھ برداشت کروا دیتی ہے۔ کتنی ہی عورتوں کو گھر کے ساتھ شوہر پالتے دیکھا ہے جس کے ساتھ لگاؤ ہی نہ ہو تو نہ وہ اچھا لگتا ہے نہ اس کا گھر۔“ آمنہ آرزو تھی۔

بتانے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔
”لاؤ سب سامان میں بنا دیتی ہوں پکوڑوں کا۔“

پہلے پکوڑے کے ساتھ ہی پہلا قطرہ گرا اور سلمان نے گھر میں پہلا قدم رکھا۔
آج ہی تو دل کو سمجھایا تھا اور آج ہی۔
دل خوشی کی لے میں ڈوب کر ابھر اور جھومنے لگا۔ باہر کا موسم اپنی خوش رنگی اٹھائے اس کے اندر آن بسا۔ اندر باہر جل جھل ہو گئی۔
تائی سے مل کر ہاتھ میں ڈبالیے وہ کچن میں آ کھڑا ہوا۔
”پوچھوں گا نہیں کیسی ہو؟ کیونکہ نظر آ رہا ہے۔“

”نظر آنا حقیقت نہیں ہوتا۔ حقیقت لگے بھی تو سچ تو ہرگز نہیں۔“
”اتنی گہرائی میں نہیں جاتا میں، جو نظر آئے مان لیتا ہوں۔“
”یہ لیجیے۔“ سلمان نے ڈبالیے مانے کیا۔
”یہ کیا ہے؟“
”مٹھائی۔“
”کس لیے۔“
”ہاں“ کے لیے۔
”کون سی ہاں؟“ عندلیب کا دل خوف سے دھڑکا۔

”ہاں“ تمہارے دل نے جوکی ہے۔
”فضول انسان نکاح کا نہ سہی عدت کا احترام ہی کر لیا کرو۔“ عندلیب غصے سے بولی۔
”عدت نہیں مدت.....“ شرعی احکامات میں گنجائش نہیں ہوتی۔ سلیمان سنجیدہ ہوا۔
”تو کیوں نکالتے ہو گنجائش.....“ عندلیب پکوڑوں کی پلیٹ لیے باہر آئی۔
”مٹھائی نہیں ڈال کے لائی ہو؟“ تائی نے اس کے دوسرے ہاتھ کی سمت دیکھا۔
”یہ میں لے آیا ہوں تائی۔“ سلمان نے

پلیٹ تائی کے سامنے رکھی۔
”ایک تو اولاد محبوب ہو اور پھر ہو بھی محبوب کی اولاد..... تائی اسے پیار بھری نگاہوں سے نکلتی رہی۔“

”ماشاء اللہ سے نوکری لگ گئی ہے سلمان کی، دوائیوں والی کمپنی میں۔“ تائی نے پلیٹ بڑھائی عندلیب نے کھسکا دی۔
نہ سلیمان نے اس کے ہاتھ کے پکوڑے کھائے، نہ اس نے اس کی لائی مٹھائی چکھی۔
شام کو وہ بیٹھک میں ملک ہیک دینے گئی تو سلیمان نے اسے دیکھتے ہی دروازہ زور سے بند کر لیا۔

☆☆☆

اگلے دن تائی نے سلیمان کو روک لیا کہ دوپہر میں جب لڑکیاں آئیں تو ایک نظر مار لینا۔ عندلیب نے دروازہ ہی بھینٹ دیا۔ لڑکیاں ارے ارے کرتی رہ گئیں کہ اندھیرا ہو رہا ہے، ٹانگا ٹھیک سے نہیں لگ رہا۔

”دھوپ آ رہی ہے، مٹی آتی ہے۔“ وہ بھی عذر تراشے گئی۔

”کیا خیال ہے ان میں سے کوئی جچے گی سلیمان کے ساتھ۔“ لڑکیوں کے جانے کے بعد تائی نے عندلیب سے رائے لی۔

”سچ بھی گئی تو کوئی ماں باپ دیں گے سلیمان کو۔“ عندلیب بغیر کوئی لحاظ کیے بولی۔
”میرا سلیمان کسی کا نام تو لے کر گڑالوں گی، دہلیز پر بیٹھ رہوں گی۔“

”اور پھر وہ آ کر آپ کو پکڑ کر دہلیز سے باہر بٹھا دے چاہے۔“
”نہیں، اتنی بھی کوئی ظالم اور احسان فراموش نہیں ہوتی۔“

”سلیمان سے پوچھا آپ نے؟“
”وہ آ رہا ہے پوچھتی ہوں۔“

”سلیمان نظر ماری ہے، کوئی لڑکی بھائی ہے
دل کو۔“

سلیمان نے نظر بھر کر عندلیب کو دیکھا اور بولا۔
”تائی جو آپ کے جی میں آئے۔“
”اپنے جی کا بتاؤ۔۔۔۔۔“ تائی پوچھے مئی سلیمان
چپ بیٹھا رہا۔

اگلے دن اچانک سے اس کی ساس آگئی۔
”رخصت کروانے آئی ہوں اپنی امانت کو۔“
وہ آتے ہی مدعا یہ آئی۔

”ضرور؟ کب آ رہا ہے حیدر؟“
”حیدر کو تو شاید ابھی چھٹی نہ ملے۔“
”تو پھر کس کے سنگ رخصت کروا کے لے
جائیں گی آپ۔“

”جلد آ جائے گا میرا حیدر۔ ان شاء اللہ۔“
”خدا خیر سے لائے۔ مگر جب وہ آئے آپ
تاریخ لینے بھی تب ہی آئے گا۔“ رنگیلی تائی نے
سیدھی سیدھی جھنڈی دکھائی۔
وہ برامنائی اٹھ گئی، تائی نے ذرا روانہ کی۔
”تین سال سے نان و نفقہ کا خیال ہے، نہ بھی
عید بقرعید پہ آیا۔ چلی ہے رخصت کروانے۔“ تائی
بڑبڑاتی رہیں۔

”اے عندلیب! یہ ایک لسٹ تو بناؤ۔“
”لکھوائیں تائی جی۔۔۔۔۔“ عندلیب کا پی
پینسل لے آئی۔

”ایک جو سر پلینڈر، ایک ماسکروویو اون اور
ایک کول سیٹ۔“
”واہ تائی! سہولتیں منگوانی ہیں۔“ سلیمان نے
پاس آ کر چھیڑا۔

”میں نے بڑھے پہرے یہ سب کیا کرنا ہے
عندلیب کے جہیز کے لیے منگوا رہی ہوں۔“
”اب عندلیب پہ اتنا خرچا کریں گے ہم لوگ
۔۔۔۔۔“ سلمان نے سنجیدہ سا چہرہ بنا کر اوچی آواز میں
پوچھا۔

”بری بات۔“ تائی نے تنبیہ کی۔ عندلیب
نے چہرہ بے تاثر بنالیا۔

”پیسے لیتے جانا جاتے ہوئے۔ عندلیب یہ
لسٹ سلیمان کو دے دو۔“ تائی اٹھتے ہوئے بولیں۔
اور تائی کے جاتے ہی عندلیب نے لسٹ پھاڑی۔
”مجھ پہ اتنے پیسے خرچ کرنے کی ضرورت
نہیں، احسان نہیں چاہیے کسی کا بھی۔“

”اور وہ جو دل قابو میں کر رکھا ہے۔ ہماری
آنکھوں کو اپنا بے دام غلام بنا رکھا ہے۔ وہ احسان
بھی تو اتارو۔“ سلیمان کبھی آواز میں بولا۔
”اپنی چیزیں خود سنبھال رکھو۔ میرے پاس
حیدر کا دیا کافی ہے۔“
”کیا۔۔۔۔۔؟“

سلیمان کے سوال پہ وہ خاموش رہی۔
”کیا صرف نکاح نامہ کا پیپر؟“ سلیمان نے
تمسخر اڑایا۔

”وہ پیپر سچ ہے اور ثبوت بھی۔۔۔۔۔ تم جیسے
جھوٹے دعوے دار کی طرح صرف باتیں نہیں کہیں
اس نے۔“
”میرا کیا جھوٹ لگا تمہیں؟“ سلیمان بگڑا۔
”تو پھر آؤ اور حق طریقے سے جیت لو۔“
عندلیب نے چیلنج کیا۔

☆☆☆

”تیسرے ہی دن سلیمان پھر آ گیا۔“
”تائی سے پہلے تمہیں یہ خبر دینا چاہتا ہوں۔
حیدر نے ادھر ہی شادی کر لی ہے۔“
”تو۔۔۔۔۔؟“ عندلیب نے ابرو اچکا کے اٹل
لہجے میں پوچھا۔

”تمہیں اس خبر سے کوئی فرق نہیں پڑا؟“
سلیمان نے پتھر پر ضرب لگائی۔
”یہ میرے ماں باپ کا آخری فیصلہ تھا اور
مجھے ہر صورت نباہنا ہے۔“ وہ لہجے کی لرزش پہ قابو
پانی مضبوط آواز میں بولی۔
”انہوں نے فرض ادا کیا اپنا۔ تم پر یہ فرض لازم

نہیں کیا۔“ سلیمان چڑا سمجھتی ہوں ناں۔“
 میں تو خود پر لازم سمجھتی ہوں ناں۔“
 سلیمان چند ٹاپے اسے دیکھتا رہا پھر باہر نکل
 گیا۔ عندلیب نے ڈھیر سارے آنسو اپنے اندر
 اتارے۔ اور بے دم ہو کر وہیں صوفے پر ڈھیر
 ہوئی۔

☆ ☆ ☆
 آمنہ اپنے فیصلے پر قائم تھی۔ واپس نہیں گئی
 تھی۔ اپنے بیٹے عبدل کو لیے لڑکیوں سے پہلے ہی آ
 جانی۔ چھوٹے موٹے کام عبدل کر دیتا۔ اور آمنہ اپنا
 ہنر دکھائے جانی، قسمت بنائے جانی۔
 تائی کو سلیمان کے لیے لڑکی پسند آ گئی تھی اور
 عندلیب کا دل مٹھی میں بھینچا گیا تھا۔
 تائی نے یہ خوش خبری سلیمان کو سنائی تو وہ ایک
 نظر اسے دیکھ کر سر جھکا گیا۔
 ”تم کہو تو میں تائی سے بات کروں؟“ رات
 کے کسی پہر وہ صحن میں بیٹھی چاند کو مکتی تھی جب وہ
 قریب آ کر سر گوشیا نہ بولا۔
 ”بات سے یہ بات ممکن کہاں ہو گی؟“ درد
 نے عندلیب کا لہجہ ڈھا دیا تھا۔
 ”مجھے کوشش تو کرنے دو۔“
 ”کر دیکھو۔۔۔۔۔۔“ عندلیب نے دل کی مانی۔
 ”اس سے پہلے اقرار تو کر لو۔“
 ”جب جذبات نہیں دکھے تو لفظ سمجھ میں
 آ جائیں گے؟“ عندلیب نے نگاہیں اس کی نگاہوں
 میں گاڑیں۔
 ”تم کہو تو دل کو ذرا ڈھارس مل جائے گی۔“
 ”یہ سب قبل از وقت ہے۔“ عندلیب جھجکی۔
 ”عجیب ہو۔ محبت بھی کرتی ہو اور عقل بھی
 استعمال کرتی ہو۔“ سلیمان اٹھ کھڑا ہوا۔
 تائی کو پتا چلا حیدر کی شادی کا تو آبدیدہ ہو
 گئیں۔
 ایک بچے کا نصیب کھلتا ہے تو دوسرے کا بند
 ہونے لگتا ہے۔ کیا کروں میں؟ دو ہی ذمہ داریاں
 ہیں اور دونوں ہی نہیں ٹھیک سے نبھا پا رہی۔ ”اچھا
 تب ہی تمہاری ساس رخصتی کی بات کرنے آئی تھی کیا

”عندلیب ایہ سلیمان چلا گیا ہے کیا؟“ تائی
 ابھی اندر سے نکلی تھی۔
 ”باہر تو نکلے ہیں۔“
 ”دیکھو، شاید بیٹھک میں ہو۔ یہ سوٹ تو پکڑاؤ
 کتنے دنوں سے تیار ہوا رکھا ہے۔ پہن لے گا۔“ تائی
 نے اسے شارپ تھمایا۔
 بیٹھک میں وہ جانے کے لیے بالکل تیار کھڑا
 تھا۔ کوئی کرب تھا جو اس کے چہرے پہ ڈیرے
 جمائے بیٹھا تھا۔
 ”یہ تائی نے دیا ہے۔“ بغیر اسے دیکھے سلیمان
 نے شارپ تھما۔ ایک نظر شارپ کے اندر جھانکا اور اسے
 لوٹایا۔
 ”جب تم لباس نہیں بنیتے تو تمہارے ہاتھ کا
 بھی بنا ہوا کیوں پہنوں؟“ وہ بیک کندھے پہ ڈالتا
 باہر نکل گیا۔
 وہ شارپ لیے واپس آئی اور تائی کے قریب
 رکھا۔
 ”وہ چلا گیا ہے۔“
 شام اپنا درد بھرا چولا پہنے تائی کے اندر اتری
 اور لہجے میں ٹھہر رہی۔ اور آواز کی صورت درد دیوار
 میں پھیلنے لگی۔
 کسی نظر کو تیرا انتظار آج بھی ہے
 کہاں ہو تم کہ یہ دل بے قرار آج بھی ہے
 آج تو تائی کا درد اس کی رگوں تک میں اتر ا ہوا
 تھا۔ دونوں کا دکھ مشترک تھا۔ دونوں کا درد نارسائی
 تھا۔
 وہ پیار جس کے لیے ہم نے چھوڑ دی دنیا
 وفا کی راہ میں گھائل وہ پیار آج بھی ہے

”تائی آپ کی بھی کیا زندگی رہی ناں.....
ایک خواہش کی وہ بھی لا حاصل رہی۔“ عندلیب دل
بہلانے کو بولی۔

”زندگی کا حاصل ہی ادھوری خواہشیں ہوتی
ہیں وہ بھی مکمل ہوں تو باقی کیا رہے؟“ تائی مطمئن
تھی یا اب ہو گئی تھی۔

”تیری ساس سے بات ہوئی ہے۔ حیدر کچھ
دنوں تک آ رہا ہے، میں خود اس سے اس کی مرضی
معلوم کروں گی۔ سلیمان کی رسم کے لیے بھی ہفتے کا
دن طے ہوا ہے۔ تم دونوں کے فرض سے سبکدوش ہو
کر میں بھی حج کے لیے جاؤں گی اور جب تک
آخری گناہ کا قطرہ بھی نہ سوکھتا تب تک نہیں آنا۔“

”تائی! آپ نے کون سا گناہ کیا ہے؟“

”اس کو یاد رکھنے والا تو کیا ہے ناں۔“

”اس پر تو آپ نے صبر کیا۔“

”صبر نہیں کیا، اسے یاد رکھا۔“

”لیکن یہ تو آپ کے بس میں ہی نہیں تھا ناں
..... اس پر صبر کرنا بس میں نہیں تھا۔ وہ ہوا ہی نہیں
آپ سے۔“

”صبر ہوتا نہیں ہے صبر کیا جاتا ہے۔ اگر صبر ہو
جانا ہوتا تو اس کا اتنا اجر کیوں ہوتا؟“ آسان ہرگز
نہیں ہوتا صبر کرنا۔ یا تو بندہ مکمل حاصل کر لے یا مکمل
صبر، میں دونوں کے بیچ میں رہی نہ اجر لے پائی نہ
اسے۔

”کبھی کبھار کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ انسان کیا
کرے۔“ عندلیب بھی بے بس دکھائی پڑی۔
تائی رنگیلی کو وہ یاد آیا اور ٹھہر رہا۔ سرد سکوت
پھری گزرتی شام میں ان کی آواز آہ کی صورت نکلتی
تھی۔

”تو نے آنکھیں دیں میرے مالک تیرا
ٹھکریہ۔ کان دیے، احسان کیا۔ پاؤں جسم زبان
سب دیا، کمال کر دیا۔ اور پھر دل دیا اور انسان کو
آزمائش میں ڈال دیا۔ دماغ کافی تھا جسم کو کنٹرول
کرنے کے لیے دل دے کے سب کنٹرول سے باہر

کہتی ہو عندلیب؟“
”کیا کہوں میں تائی۔“ وہ خاموش ہوئی۔
”ابھی تو سلیمان کی طرف سے تسلی اور خوشی ملی
تھی مجھے۔“

”کوئی بات نہیں تائی۔ آپ آزرده نہ ہوں۔
مرد تو دوسری شادیاں کرتے ہی آئے ہیں۔“
عندلیب ساٹ چہرے کے ساتھ کہتی اٹھ گئی۔

عندلیب کی ساس رخصتی کے لیے اصرار کرنے
لگی، تائی اس کا جہیز جمع کرنے لگی اور سلیمان کے
سرال والے رسم کے لیے اصرار کرنے لگے۔

تو پھر یہ طے ہوا کہ وہ بھی تائی کا سانس
لیے آئی تھی۔ نارسائی اس کا بھی مقدر تھا۔ اس کی بھی
سردشامیں اور گرم دوپہریں درد سہتے یادوں سے
لڑتے گزرنے والی تھیں۔

تائی نے سختی سے اس کی ساس کو کہہ دیا کہ رخصتی
کروانی ہے تو بیٹے کو بلوالے۔

☆☆☆

سرد اور اداس کر دینے والی شام تھی۔ عندلیب
زردشال اوڑھے زردشام کا حصہ بنی ہوئی تھی۔
”تائی! آج کھانا رہنے دیتے ہیں۔ دل نہیں
کر رہا ہانے کو۔“

”کیوں؟ دل کو کیا ہوا؟“

”ایسے ہی تائی۔ چھوٹے (عبدال) کو بھیج کر
سموے منگوا لیں گے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ دل نہ لگنے والی بات
ٹھیک نہیں۔ ہنسنے کھیلنے کے دن ہیں تمہارے، چپ
ہونٹوں پر ڈیرے ڈالے رہتی ہے۔“

”کیا کروں تائی، کچھ ہوتا ہی نہیں کرنے کو۔“
”اس بار سلیمان آتا ہے ناں تو موبائل منگوا
کے دیتی ہوں تجھے۔ دل بہلائے رکھنا۔“

سلیمان آجائے تو موبائل کی کیا ضرورت؟
دل نے نروٹھے پن سے تائی کو دیکھ کر کہا۔ ہونٹ
جامد رہے۔

کر دیا۔“

بے بسی کی حد ہو جایا کرتی تو تائی خدا سے ہی شکوے کرنے لگ جایا کرتی۔
”تائی! آپ تائیا کو اتنا یاد نہیں کرتیں جتنا اسے“

”تیرے تائیا نے عزت دی تھی ان کا احترام کرتی ہوں۔ اس سے محبت تھی۔ یاد محبت کا حق ہے۔ ازل سے دستور ہے بے وفاء و فادالوں سے زیادہ یاد آتے ہیں۔“
درو بھر کی ساری راتیں ٹیسیں اٹھتی رہیں۔ سرد رات آہستگی سے بہتی رہی۔

☆☆☆

دن کسی کے ناچاہنے سے کب رکے ہیں بھلا۔ ہفتہ بھی آن ہی پہنچا۔ سلیمان نے اس کے ہاتھ کا بنا سفید کرتا پہنا تھا اور عندلیب نے اس کا دیا سیاہ لباس۔
”قبول کر لو گے اریشہ کو۔“ نکلنے سے چند لمحے پہلے عندلیب نے پوچھ ہی لیا۔

”تمہاری یاد کے ساتھ کر لوں گا۔“ سلیمان ساٹ چہرے کے ساتھ بولا۔ وہ پلٹنے ہی والی تھی جب سلیمان کی آواز آئی۔
”تم حیدر کو کر لو گی۔“
”میں کر چکی ہوں۔“

”صرف دستخط..... میں تمہارے دل کی مرضی پوچھ رہا ہوں۔“
”دل کی کسے پروا ہے۔“ اس نے لہجہ کو لا پروا بنانا چاہا۔

اماں ابابہ کیا کر گئے ہو۔ مجھے رخصت کیے بنا۔ رخصت ہو گئے ہو۔ کیسا کچا سا پکا فیصلہ کر گئے ہو۔ وہ دن بھر ماں باپ سے شکوہ گناں رہی۔ اور جس کے نام پہ بیٹھی تھی ساڑھے تین سال ہو گئے اس کا کوئی اتنا پتا ہی نہیں تھا۔ کیا زندگی یونہی گزرے گی؟ کسی کی یادوں کے سہارے، کسی کے نام کے آسیرے پر۔ وہ دن بھر سوچتی رہتی اور رات بھر کڑھتی رہتی۔

”عندلیب! اب تم بھی شادی کر ہی لو۔“ شمیم شادی کے بعد ملنے آئی تھی۔

”شادی سے کیا ہوتا ہے۔“ عندلیب بیزار ہوئی۔ ”میں کبھی شادی نہیں کروں گی۔“
”مرد زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔“ شمیم دانائی۔

”مرد! کیا ہوتا ہے یہ مرد..... اگر کمانے والا اور سنبھالنے والا مرد ہوتا ہے تو ریکلی تائی سے بڑا مرد میں نے نہیں دیکھا۔ اگر سودا سلف اور باہر سے چیزیں لانے والا مرد ہوتا ہے تو چھوٹا (عبدل) سب سے بڑا مرد ہے۔ فیصلے کرنے اور جرات والا نڈر مرد ہوتا ہے ورنہ جہاز اور کشتیاں تو عورتیں بھی چلا لیتی ہیں، گھر تو اکیلی عورت بھی سنبھال لیتی ہے۔“ وہ اونچی آواز میں بولی کہ اندر بیٹھا سلیمان بھی سن لے کہاں کا غصہ کہاں نکالا تھا۔ شمیم ہکا بکا ہوئی۔

”کیا کہہ رہی تھیں جرات والا مرد ہوتا ہے۔ کبھی دی تم نے مجھے جرات؟“ شام کو سلیمان نے اسے آلیا۔

”جرات بھی میں ہی دیتی۔“
”میں تمہاری مدد کے بغیر نہیں کر سکا۔ کیا سوچتیں تائی، کہ میں نے اسے گھر دیا اور اس نے اسی میں نقب لگالی۔“ وہ بے دم ہوا۔

”تم زندہ مال کے اعتماد کے بارے میں سوچتے ہو اور میں وفات پائے والدین کے آگے جواب دہی سے ڈرتی رہی۔ چلنے دو جیسا چل رہا ہے۔“ وہ چڑ کر باہر نکلی۔

☆☆☆

اریشہ کی ماں جب سے تائی کے پاس سے ہو کر گئی تھی وہ چپ چپ سی تھی۔

”کیا کہا ہے اریشہ کی ماں نے آخر، آپ مجھے بتا کیوں نہیں دیتیں۔“ شام کو وہ تائی کی چپ سے ہار گئی تھی۔

”کہتی ہے یہ گھر اریشہ کے نام کروں۔ اور وہ

سلیمان کے ساتھ شہر جا کر رہے گی۔“
”تو کر دیں۔ سلیمان اور اس کی بیوی کا ہی تو ہے سارا کچھ۔ ان کو دے دیں یا نام کر دیں کیا قباحت ہے۔“

”اور تجھ سے میرے کامان چھین لوں۔ گھر میں سے حصہ بے شک تجھے نہ دوں مگر گھر کا مان اور حق تاحیات تمہارے پاس ہی رہے گا۔ جب چاہو ملنے رہنے آؤ.....“

تائی کے جواب میں وہ خاموش ہی رہی۔
”مرد تو مجھے ویسے ہی اچھا نہیں سمجھتے۔ اریشہ کے گھر اسی لیے تو رشتہ دیا تھا کہ باپ ہے نہیں۔ ماں سے آرام سے لیکن دین کر لیں گے مگر.....“ تائی بہت ہی پریشان نظر آئیں۔

”سلیمان سے بات کی، وہ کیا کہتا ہے؟“
عندلیب نے جانچا۔

”وہ تو سنتے ہی ہمتے سے اکھڑ گیا۔ کہتا ہے شرطوں پہ شادی نہیں کرنی۔“
ہر ماں اولاد کا تحفظ چاہتی ہے۔ ایسی کوئی غلط بات نہیں کی اریشہ کی ماں نے۔“ عندلیب نے دل پر پاؤں رکھا۔

”صحیح بھی تو نہیں ناں کی..... حیدر آ گیا ہے بات ہوئی تمہاری اس سے؟“ تائی کو اچانک سے یاد آیا تو اس کا سکون اطمینان سے غارت کیا۔
”نہیں تو.....“

”یہ کیا تو تا سا ہاتھ میں لیے تکتی رہتی ہے۔ بات تو کر لیا کرو۔ فون بھی ہوتا ہے اس پر۔“ تائی اس کے ہاتھ میں پکڑے موبائل سے چڑی۔

”میں فون کرنی ہوں اور دعوت پہ بلاتی ہوں۔“ تائی نے اپنا ہٹنوں والا موبائل نکالا۔
عندلیب اٹھ کر باہر آ گئی۔

”تم آ ہی گئے۔ دو ہی تو ماہ رہتے تھے چار سالہ مدت میں۔“ دونوں ہاتھوں باندھے وہ بے وجہ صحن میں شہلہتی رہی۔

”پرسوں بلوایا ہے حیدر کو کھانے پہ۔ سلیمان کو بتا بھی دیا ہے کہ کیا کچھ چاہیے۔ کل شام کو آئے گا سلیمان۔“ ریکی تائی باہر آ کر اسے بتا رہی تھی اس کی آواز میں روائتی ماؤں کا سا جوش تھا۔ تم بھی اچھے سے تیار ہونا۔ بیچ کے پکٹ منگوا دوں؟“

”ہاں، اتنی ضرورت بھی نہیں، صاف چہرہ ہے تمہارا۔ سلیمان سے کہتی ہوں کچھ کریمیں اور میک اپ بھی لیتا آئے۔“

”تائی! مت کہیں انہیں کچھ بھی۔“ عندلیب روکتی رہ گئی۔

اگلی شام ہی سلیمان لدا پھندا آ گیا۔ وہ سامان کچن میں لے جا کر چیک کرنے لگی۔

”یہ رہ گیا تھا میرے بیگ میں۔“ سلیمان نے نیلا شاپر تھمایا۔ عندلیب نے نا بھی سے دیکھا۔

”ہتھیار ہیں۔ سب ہی استعمال کرنا ہمیں تو بغیر ان کے ہی چاروں شانے چت کر دیا تھا۔“

عندلیب نے شاپر میں جھانکا میک اپ کا سامان تھا۔ حیدر آیا تو تائی نے اسے روائتی دامادوں والا پروٹو کول دیا۔ سلیمان چپ سا تھا۔ سر جھکائے کھانا

گھا رہا تھا جب عندلیب نے بغور اسے دیکھا۔ صاف رنگ اور اچھے نقوش کا حامل ہینڈ سم بندہ تھا۔

نظر اس پر سے ہوتی ہوئی سلیمان پر آ کر رکی۔ سانولے رنگ کا جاذب نظر نقوش لیے ہوئے۔ کہتے ہیں سانولے رنگ میں کشش ہوتی ہے راتنی کہ اندر ہی کھب جائے اس بات سے عندلیب لاعلم تھی۔

”ایک والدین کا فیصلہ تھا اور ایک دل کا۔ وہ دونوں کے درمیان پھنسی ہوئی بے بس دکھائی پڑتی ہے۔“

کھانے کے بعد انہیں چائے تھا کرتائی اور سلیمان باہر چلے گئے۔

”مجھے نہیں پتا تھا تم یہاں رہتی ہو۔“

”یہاں کہاں؟“

”کوٹھے پر.....“

نہیں کرتا تو تمہاری نگاہیں فریاد کرنے لگتی ہیں۔
خاموش التجائیں میرے لہجے میں گھس کر بین ڈالنے
لگتی ہیں۔ ایک فیصلہ کیوں نہیں کرتی ہو۔“

فیصلے کا اختیار رہا ہی کہاں میرے پاس؟ فیصلہ
تو کر گئے تھے والدین۔“

”وفات پا گئے لوگوں کے فیصلے زعمہ لوگوں
کے لیے چیلنج کیے جا سکتے ہیں۔“ سلیمان نے راہ
نکالی۔

”کون اور کس لیے چیلنج کرنا چاہے گا۔“
”بھاڑ میں جاؤ۔۔۔۔۔“ سلیمان باہر نکلا۔
”وہیں ہوں۔۔۔۔۔“ عندلیب نے ہاتھ
جھاڑے۔

☆☆☆

”کیا ہوا تائی؟“ وہ اندر آئی تو تائی سردنوں
ہاتھوں میں گرائے بیٹھی تھی۔

”اریشہ کی ماں کا فون آیا تھا۔ تین دن کا وقت
دیا ہے اگر ہم گھر اریشہ کے نام کرتے ہیں تو ٹھیک
ورنہ وہ رشتہ توڑ رہی ہیں۔“

”کوئی مذاق ہے رشتے بنانا توڑنا۔“
”ان کے لیے مذاق ہی ہے۔ کیا سوچے گا میرا
بچہ سلیمان۔ کوئی ڈھنگ کا رشتہ بھی نہیں ڈھونڈ
پائی۔“

”ایسا کچھ بھی نہیں سوچے گا وہ اور بالفرض
سوچے بھی تو خود ڈھونڈ لے۔“ عندلیب ان کی اتنی
پروا پر چڑی۔

”تمہاری ساس کے بار بار فون آرہے ہیں۔
رخصتی کی تاریخ مانگ رہی ہے۔ ایک ماہ کے لیے ہی
آیا ہے حیدر۔“ تائی کو ایک اور فکر ستائی۔
”میں ایک دو روز تک حیدر کو بلوائی ہوں تم اس
کے ساتھ جا کر شاپنگ کر لینا کچھ اس کے مزاج کا
بھی پتا چل جائے گا۔“

”جی۔۔۔۔۔“ عندلیب نے سر جھکایا۔
”اور حیدر اگلے دن ہی آ گیا۔“

”عزت اور تحفظ چاہیے تھا اس لیے آ بیٹھی۔“
عندلیب نے اپنی طرف سے تو بھگو کر مارا تھا، پتا نہیں
لگا تھا یا نہیں۔

”بولنا بھی آ گیا ہے۔ نکاح کے وقت تو نگاہ
تک نہیں اٹھی تھی تمہاری۔۔۔۔۔ بولنا، دیکھنا، سننا، سمجھنا
سب ہی آ گیا ہے۔ متاثر کر رہی ہو۔ حالانکہ میں
پہلے ہی کسی سے متاثر ہوں۔“ وہ بغیر لگی لپٹی کے
صاف بولا۔

”صرف متاثر۔۔۔۔۔! ہم تو سامنے والے کو پاگل
کر دیں صاحب۔ اور جس کے بھلیکے میں کرتے ہیں
خود وہ سامنے ہو تو پانی بھی نہ مانگ پائے۔“ وہ اس
کی آنکھوں میں دیکھتی بڑبڑا بولی۔
”گریٹ۔۔۔۔۔“ لب و لہجہ بھی کوٹھے والا سیکھ گئی
ہو۔

”مکان بھی کوٹھا ہے اور دل بھی۔۔۔۔۔ کبھی کبھی
کوٹھے والا سمجھیں۔“ وہ اسے فقیر سمجھ کے بھیک
دینے آیا تھا نہیں جانتا تھا کہ وہ مزاجا بادشاہ تھی۔

☆☆☆

تائی نے پہلی ہی بار حیدر سے کچھ بھی کہا
مناسب نہ سمجھا۔
”کیا بات ہوئی؟“ سلیمان نے فرصت ملے
ہی پوچھا۔

”دونوں نکاح ہوئے لوگوں کے درمیان جو ہو سکتی
ہے۔“

”پہلے تو بڑا نکاح کی عدت عدت کرتی تھی۔“
”اب تو سب ٹھیک ہونے والا ہے۔ حیدر آ
گیا ہے اریشہ سے تمہاری منگنی ہو گئی ہے۔ دونوں
کے راستے سیدھے اور منزل کا تعین ہو چکا ہے۔“
عندلیب کے لہجے میں گل اور ٹھہراؤ تھا۔

”دونوں کے پاس ایک ایک دل بھی ہے۔“
سلیمان نے بس نظر آیا۔

”دل کی ماننے بیٹھیں تو گزر چکی زندگی
نہ مان کر بھی تو اجرن ہو جاتی زندگی
”جب بھی کچھ کرنے لگتا ہوں روک دیتی ہو۔“

”تائی! میں نے عندلیب سے کچھ بات کرنی ہے۔“ وہ صاف گوئی سے بولا۔

”ضرور بیٹا..... تائی چادر اٹھا کر باہر نکل گئی۔“

”دیکھو عندلیب! میں تمہیں کسی دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ میں نے ملائیشیا میں ہی شادی کر لی ہے۔ دو سال پہلے تم سے شادی میں نے اپنی ماں کی خواہش پر کی تھی۔ وہ اسی صورت مجھے باہر جانے دیتیں۔ ابھی بھی وہ چاہتی ہیں میں تمہیں رخصت کروا کے پھر جاؤں۔ تاکہ پاکستان آنے کا جواز بنا رہے۔ اگر وہ سمجھیں تو جواز تو وہ خود بھی ہیں۔ میں کسی کو اپنی وجہ سے سزا نہیں دینا چاہتا۔ میں نے وکیل سے بات کر لی ہے۔ ایک دو روز تک پیپر بن جائیں گے میں تمہیں تمہاری زندگی اور اس کی بابت فیصلے کے لیے آزاد کرتا ہوں۔“ اس نے بات کہہ کر عندلیب کا چہرہ جانچا۔

”میں اگر کہوں میں آپ کو آپ کی زندگی کے ہر فیصلے کے لیے آزاد کرتی ہوں۔ آپ مجھے بس طلاق نہ دیں جو چاہیں کریں۔“

عندلیب نے کہہ کر سر اٹھایا تو نگاہیں سامنے دروازے کے باہر کھڑے سلیمان پر پڑیں۔

سلیمان کی آنکھوں میں اتنا زخمی پن تھا کہ عندلیب نے نگاہیں جھرائیں۔

”جب میں آپ کے ساتھ چلنا ہی نہیں چاہتا تو آپ کو اپنے ساتھ باندھ کے کیوں رکھوں۔“ حیدر نے اس کی عقل پر ماتم کیا۔

باوجود نظر تھرا لینے کے سلیمان کی آنکھیں اس کے اندر تک گڑی تھیں کہ وہ نظر تک نہ اٹھاپائی۔

”کل آپ کو پیپر زیل جائیں گے۔ اچھی لڑکی ہو اور اچھا ہی ڈیزرور کرنی ہو۔ تمہارے اتنے سال ضائع کیے ان کے لیے معذرت، مستقبل کے لیے نیک خواہشات۔ اللہ حافظ۔“ حیدر نظر بھر کر اسے دیکھتا باہر نکلا۔

وہ ایک نظر باہر دیکھ کر آئی سلیمان بیٹھک میں

صوفے پر چٹ لیٹا تھا۔

”چائے پیو گے؟“ اس نے دروازے پہ کھڑے پوچھا۔

”تمہارا خیر خواہ چلا گیا؟“

”جانے دیا۔“

”منہ سے کہنے پہ تو نہیں مانا۔ پاؤں پڑ جانا تھا۔“ وہ اسے جڑاٹا اٹھ بیٹھا۔

”کوئی عزت سے ہمسفر بنانا چاہتا ہے وہ اس نہیں اور جو نام تک نہیں دینا چاہتا اس کے سامنے گر گڑائی ہو۔“ سلیمان اسے بغور دیکھتا کہہ رہا تھا۔

عندلیب خاموشی سے پلٹ آئی۔ کیا ہتی وہ مشرقی لڑکی تھی اور کیا اسے زیب دیتا مرے والدین کا فیصلہ نہ نبھانا۔

تائی پلٹ آئی تھیں اور بہت پر جوش تھیں۔

”ادھر آؤ عندلیب۔“ وہ سرخ مخملیں تھیلی کھولتے ہوئے بولیں۔ یہ کچھ گہنے ہیں۔ پسند کر لو کچھ تم، کچھ سلیمان کی دلہن کے لیے رشتی ہوں باقی بیچ کے حج کے کاغذ جمع کروانے ہیں۔“

”تائی جہیز کے نام پہ اتنا کچھ جمع کر لیا ہے پھر یہ گہنے بھی، یہ رہنے دیں۔“

”تحفہ ہے، تحفے کو انکار نہیں کرتے۔ یہ کنکشن اور یہ گلوبند ایک تم پسند کر لو ایک سلیمان کی دلہن کے لیے رشتی ہوں۔ یہ وزنی ہیں باقی تو چھوٹی موٹی چیزیں ہیں۔“ تائی نے خوب صورت جڑاؤ کنکشن اور جڑاؤ گلوبند ایک طرف کیا۔

”پہلے سلیمان سے پوچھ لیں۔“ وہ پہلے پسند کر لے پھر میں دیکھتی ہوں۔

”سلیمان۔“ تائی نے وہیں بیٹھے بیٹھے آواز لگائی۔ وہ نیم باز آنکھوں سے چلا آیا۔

”اپنی دلہن کے لیے پسند کرو۔“

”دلہن تو ایسے بٹھا کے پسند نہیں کروائی۔“ اس کے لبوں کی تحریر صرف عندلیب جان پائی۔

”تائی! جو آپ کا دل کرے۔“

”یہ کنکشن اور یہ گلوبند۔“

چلوگی میرے ساتھ۔“
”ابھی نہ کرو۔“

”ابھی بھی نہ کروں۔“ سلیمان نے دکھ سے اسے دیکھا۔ ”اب میں تمہاری ایک بھی نہیں مانوں گا۔“

وہ اٹھ کھڑا ہوا تب ہی تائی اندر سے نکلیں۔ آ نکھیں سرخ اور چہرہ سال خوردہ عمارت کی طرح تھا۔ ان دونوں کو اکٹھے دیکھا تو دکھ کی لہر ابھری دل سے دکھ نکلتا ہوا دماغ تک گیا اور ایک کوندہ لپکا وہ دونوں اکٹھے بھی تو ہو سکتے تھے۔ ہاں..... ارے اس کے ذہن میں پہلے کیوں نہیں آیا۔ وہ دونوں کو خوش گوار حیرت سے دیکھتی واپس اندر گئی۔ دونوں نا سمجھی سے تائی کے عجیب و غریب تاثرات دیکھتے رہے۔

سلیمان کسی کام سے باہر نکلا تو تائی نے عندلیب کو پاس بٹھایا۔

”میں اپنی بات منوانے کے لیے سلیمان کو حکم بھی دے سکتی ہوں۔ پر تمہاری مرضی معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ تم سے درخواست کرنا چاہوں گی۔“
”کس بات کے لیے تائی۔“

”میں چاہتی ہوں تم اور سلیمان ایک ہو جاؤ دونوں شادی کر لو۔“

”تائی! شادی کیا اتنی ضروری ہے کہ ہر وقت یہی ٹاپک ڈسکس کیا جائے۔“ عندلیب چڑی۔

”میرے لیے ہے۔“

”میں حیدر کے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔ وہ میرے ماں باپ کا فیصلہ تھا۔“

”اس نے کل پیپر بھجوا دیے ہیں۔“

”وہ میرے والدین کا فیصلہ تھا تائی۔“

”وہ حیات نہیں ہیں۔“

”اسی لیے تو اور بھی اہم لگتا ہے ان کا فیصلہ۔“

”گلوبند.....“ وہ عندلیب کی سونی کلائیوں کو دیکھتے بولا۔

”صبح ہمیں شہر لے چلنا۔ کچھ کپڑے بھی خرید لائیں گے۔“ سلیمان کو اٹھتے دیکھ کر تائی نے کہا۔

”اریشہ کی ماں نے جو شرط رکھی تھی اس کا کیا؟“

ایویں ہی کہا ہوگا۔ پہلے سن کے ٹینشن ہوئی تھی مگر ایسے کوئی شرطوں پہ بیٹی بیاہتا ہے کیا؟“ تائی نارمل تھیں۔

”تائی صبح شہر مت جائیں کپڑے لینے۔ حیدر نے رشتہ ختم کر دیا ہے۔ صبح طلاق کے پیپرز بھیج دے گا۔“ عندلیب کی آواز ہموار بھی حالانکہ یہ رشتہ نبھانے کے لیے اس نے اپنا دل بھی پچل ڈالا تھا۔

”کیا سچ؟“ زنگیلی تائی کا چہرہ تاریک ہوا۔ اور اگلے دن صبح ہی اریشہ کی ماں نے منگنی کا سامان واپس بھیج دیا۔

”جاریگیلی تجھے نہ رشتے جوڑنے آئے۔ نہ اپنے نہ اولاد کے.....“ تائی کی آواز بین کرتی تھی۔

☆☆☆

شام ڈھلے وہ سڑھیوں پہ بیٹھی دورانق پہ نصیب کا لکھا کھوجتی تھی۔ سلیمان اس سے دو سڑھیاں نیچے آ کر بیٹھا۔ اور رواں ہوا۔

”تمہارا نکاح مدت سے پہلے ہی ٹوٹ گیا۔“

”اور تمہاری منگنی۔“ عندلیب اسی کی آواز میں بولی۔

”آؤ دونوں ٹوٹی ہوئی چیزوں سے ایک نئی چیز بنا لیتے ہیں۔“ سلیمان نے ہاتھ بڑھایا۔

”چیزوں اور رشتوں میں بہر حال فرق ہوتا ہے۔“ خدا معلوم وہ روٹھی ہوئی کس سے تھی۔

”میں تائی سے بات کرنے جا رہا ہوں۔ تم

”تمہارا باپ فیصلے کا اختیار مجھے بھی دے کر گیا ہے اور میں یہ اختیار استعمال کرنا چاہتی ہوں۔“

”اتنی زبردست تم دونوں کی جوڑی لگے گی۔ اور میں ایک ساتھ دونوں فرائض سے سبکدوش ہو جاؤں گی۔ کہیں تم بھی سلیمان کے حسب نسب کی وجہ سے.....“

”نہیں نہیں تائی، ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔“

عندلیب نے ان کی بات کاٹی۔

”میری پسند لوگوں نے معاف نہیں کی تاجر تاوان بھرا ہے۔ تمہارا تو پھر نکاح ہوا تھا۔ دور جدید میں لوگوں کے ظرف چھوٹے نہیں ہوئے۔ سڑ گئے ہیں کہاں کسی اور کے طعنے سنتی پھر وگی۔“

”جیسا آپ کہیں تائی.....“

عندلیب نے سر جھکایا۔ دل نئی لے میں جھوم اٹھا۔

سلیمان باہر تھڑے پر بیٹھا بیٹھک کے کواڑ کو تکتا تھا جب تائی کی کال آئی۔ اس نے ناجی سے موبائل دیکھتے کال اٹھائی۔

”اس جمعہ کو تمہاری اور عندلیب کی شادی ہے تیاری پکڑ لو۔“

”جی!“ اس کی آواز بے یقین ہوئی۔

”ہاں، محبت کرنے والے تو محبت کرنے والوں کا درد سمجھتے ہیں تم مجھے انجان سمجھ بیٹھے تھے۔ تائی مسکرائی۔ ابھی چند لمحوں پہلے تمہیں اور عندلیب کو اکٹھے بیٹھے دیکھ کر کچھ انکشاف ہوا۔“

”یہ کچھ جلدی نہیں.....!“ وہ بوکھلایا اور بن نہ پڑا کہ کیا کہے۔

”ہرگز نہیں.....“

☆☆☆

سلیمان شہر گیا ہوا تھا۔ عندلیب صفائی کرتے کرتے تائی پہ ایک نظر ڈال لیتی جو بیک پیک کر رہی تھیں۔

”میرے ابا جیسی دعائیں نہ کیا کریں تائی۔ ان کی پیچھے ایک بیٹی تھی۔ جسے آپ کی ذمہ داری بنا

دیا۔ گاؤں میں اور کوئی رنگیلی تائی نہیں ہے جس پر آپ ہم دونوں کی ذمہ داری ڈالتی جائیں۔“

”رنگیلی کو تا عمر دل مارنا نہیں آیا۔ عندلیب دل سوگ میں گھر تا تو یہ منانے بیٹھ جاتی۔ رنگیلی اپنا رنگین پیرہن اتارنا چاہتی ہے ایک بار جو سفید لبادہ اوڑھا تو اترے گا نہ مجھ سے۔“

”میں آپ کے لیے ہر ڈیزائن کا سفید لباس تیار رکھوں گی۔ آپ واپسی کا وعدہ کریں۔“

تائی نے بیک ایک طرف کھسکائے۔

شام اتر رہی تھی اور تائی کے دل میں بیٹھ رہی تھی۔

تند چرخ پانی بھل جائیں گی

وچ گلیاں دے رل کھل جائیں گی

اے بھار نہ کدرے چا بیٹھیں

کتھے عشق دا روگ نہ لا بیٹھیں

درد و یار تائی کی آواز سے مانوس تھے اور بڑے دھیان سے ان کا دکھن کے آواز اپنے اندر جذب کرتے تھے۔

”درد و بھر“ اپنی پوری آب و تاب سے تائی کے اندر جا گا تھا۔ عندلیب نے موبائل پکڑا اور سلیمان کو سندیسہ بھیجا۔

”جس گاؤں میں تم بستے ہو اس گاؤں کی خیر ہمیشہ“

”جس دل میں میں رہتا ہوں۔ اس دل کی خیر ہمیشہ.....“

سلیمان کا فوری جواب آیا۔

عندلیب ڈوبتی شام کو دیکھ کر مسکرائی۔ اس کی شام میں درد و بھر کا کوئی رنگ نہیں تھا۔ خوشیوں کی سرخی تھی۔ امیدوں کی لالی تھی۔

☆☆

ماڈل	میشا
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی	موسیٰ رضا